سورۃ السجدہ

آیاتہا ۳۰ ۳۲ سورۃ السجدۃ مکیۃ ۷۵ رکوعاتہا ۳

تین آیات جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں باقی تمام سورت مکی ہے وہ یہ آیات ہیں اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا یہاں سے تین آیات مدنی ہیں؛ یہ کلبی اور مقاتل کا قول ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا: مگر پانچ آیات مدنی ہیں۔ وہ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ سے لے کر الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ۝ تک ہیں (1)۔ اس سورت کی تیس آیات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی انتیس آیات ہیں صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز صبح کی نماز میں سورۃ السجدہ اور هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (دہر: 1) پڑھا کرتے تھے (2)۔ دارمی ابو محمد نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ سجدہ اور سورۂ تبارک کی تلاوت کیے بغیر نہیں سویا کرتے تھے (3)۔ دارمی نے کہا: ابو مغیرہ عبدہ سے وہ خالد بن معدان سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: منجیہ کو پڑھا کرو وہ سورۂ سجدہ ہے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک آدمی اس کو پڑھا کرتا تھا وہ اس کے بغیر کوئی چیز نہیں پڑھا کرتا تھا اس کی بہت زیادہ غلطیاں تھیں اس سورت نے اس پر پر پھیلا دیے اور کہا: اے اللہ! اسے بخش دو کیونکہ وہ اکثر مجھے پڑھا کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی اس بارے میں شفاعت کو قبول کر لیا۔ فرمایا: ''اس کی ہر خطا کے بدلہ ایک نیکی لکھ لو اور اس کا ایک ایک درجہ بلند کرتے جاؤ''۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

الٓمّٓ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝

''الف، لام، میم۔ اس کتاب کا نزول اس میں ذرا شک نہیں، سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے''۔

الٓمّٓ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ، تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ کے رفع پر سب کا اجماع ہے اگر یہ مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہو تو یہ بھی جائز ہے؛ جس طرح کوفیوں نے اسے پڑھا اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۝ (یٰسین) تنزیل مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور اس کی خبر لَا رَيْبَ فِيْهِ ہے۔ یا یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا مضمر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے هذا تنزیل یا المتلو تنزیل یا هذه الحروف تنزیل۔ الم یہ حروف کے ذکر پر دال ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ الْكِتٰبِ سے حال ہے۔ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ خبر ہے۔ مکی نے کہا: یہ ان میں سے احسن ہے۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہے یہ جادو، شعر، کہانت اور پہلے لوگوں کے

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 352

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، ما یقرأ فی صلوٰۃ الفجر یوم الجمعة، جلد 1، صفحہ 122

3۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی فضل سورۃ الملك، حدیث نمبر 2817، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

قصے کہانیاں ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝

''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اسے خود گھڑا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو نہیں آیا جس کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے تاکہ وہ ہدایت پائیں''۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ یہ اَمْ منقطعہ ہے بل اور ہمزہ استفہام کے ساتھ اس کی تقدیر بیان کی جاتی ہے یعنی بل أیقولون یہ اس پر دال ہے کہ ایک بات سے دوسری بات کی طرف نکلا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کو ثابت کیا کہ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں، پھر اس سے اس ارشاد کی طرف کلام کو پھیرا اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ یعنی خود اسے گھڑا ہے۔

بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ افترا کے دعویٰ میں ان کو جھٹلایا۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا قتادہ نے کہا: قوم سے مراد قریش ہے (1)۔ وہ ایک امی امت تھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انہیں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ لِتُنْذِرَ یہ ماقبل سے متعلق ہے اس لیے مِنْ رَّبِّكَ پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ محذوف کے متعلق ہو۔ تقدیر کلام یہ ہے أنزله لتنذر قوما تو اس صورت میں مِنْ رَّبِّكَ پر وقف کرنا جائز ہے۔ مَّاۤ اَتٰىهُمْ میں ما نافیہ ہے۔ مِّنْ نَّذِيْرٍ من زائدہ ہے اور نذیر محل رفع میں ہے۔ اس سے مراد آگاہ کرنے والا اور ڈرانے والا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قوم سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان دور فترہ ہے، یہ حضرت ابن عباس اور مقاتل کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر مکمل ہو چکی تھی کہ جو رسول پہلے گزرے ان کے ساتھ انہیں خبردار کر دیا گیا اگرچہ انہوں نے رسول کو نہ دیکھا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝

''اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت (سلطانی) پر، نہیں تمہارے لیے اس کے بغیر کوئی مددگار اور نہ کوئی سفارشی، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے''۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ انہیں اپنی کمال قدرت سے آگاہ کیا تاکہ وہ قرآن کو سنیں اور اس میں غور و فکر کریں۔ خلق کا معنی عدم اور کوئی چیز نہ ہونے کے بعد نئے سرے سے بنانا اور وجود عطا کرنا ہے۔ فِيْ

1۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 418

سِتَّةِ اَيَّامٍ اتوار کے دن سے لے کر جمعہ کے دن تک۔

حضرت حسن بصری نے کہا: دنیا کے دنوں سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان چھ دنوں میں سے ایک دن جس میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس کی مقدار دنیا کے سالوں میں سے ہزار سال کے برابر تھا۔ ضحاک نے کہا: چھ ہزار سالوں میں، آخرت کے دنوں میں سے چھ دنوں میں۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اس کی بحث سورۃ الاعراف، بقرہ وغیرہما میں گزر چکی ہے۔ علماء کا اس بارے میں جو نقطہ نظر ہے وہ میں نے الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں ذکر کر دیا ہے۔ یہاں ثم کا لفظ ترتیب کے لیے نہیں بلکہ یہ واؤ کے معنی میں ہے۔ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ یعنی کافروں کا کوئی ایسا دوست نہیں ہوگا جو ان سے عذاب کو روک سکے اور نہ ہی ان کا کوئی سفارشی ہوگا۔ محل کے اعتبار سے رفع جائز ہے۔ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ اس کی قدرت اور اس کی مخلوقات میں غور و فکر نہیں کرتے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾

”تدبیر فرماتا ہے ہر (چھوٹے بڑے) کام کی آسمان سے زمین تک پھر رجوع کرے گا ہر کام اس کی طرف اس روز جس کی مقدار ہزار سال ہے اس اندازہ سے جس سے تم شمار کرتے ہو“۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا قضاء و قدر کو نازل کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: جبریل کے ذریعے وحی نازل کی جاتی ہے۔ عمرو بن مرہ نے عبدالرحمٰن بن سابط سے روایت کیا ہے: امر دنیا کی چار فرشتے تدبیر کرتے ہیں۔ حضرت میکائیل، ملک الموت اور حضرت اسرافیل صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ جہاں تک حضرت جبریل کا تعلق ہے ان کی ذمہ داری ہوائیں اور لشکر ہیں۔ جہاں تک حضرت میکائیل کا تعلق ہے وہ بارش اور پانی کے ذمہ دار ہیں۔ جہاں تک ملک الموت کا تعلق ہے ان کے ذمہ روحوں کا معاملہ ہے۔ جہاں تک حضرت اسرافیل کا تعلق ہے وہ اللہ تعالیٰ کا امر نازل کرے گا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرش تدبیر کا محل ہے جس طرح عرش کے نیچے والی جگہ تفصیل کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ (الرعد:2) آسمانوں سے نیچے والی جگہ تصرف کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا (الفرقان:50)

ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ یحییٰ بن سلام نے کہا: فعل کی ضمیر سے مراد حضرت جبریل امین ہیں یہ وحی کے نزول کے بعد آسمانوں کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ نقاش نے کہا: مراد وہ فرشتہ ہے جو آسمانوں سے زمین تک امور کی تدبیر کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اہل زمین کی خبریں ہیں جو اس کی بارگاہ کی طرف بلند ہوتی ہیں جب کہ ساتھ ساتھ فرشتے ہوتے ہیں جو ان خبروں کو اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے(2)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 353 2۔ ایضاً

فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ کا معنی ہے دنیا کے ختم ہونے کے بعد امر و تدبیر اس کی طرف لوٹتا ہے فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ اس سے مراد یوم قیامت ہے۔ متقدم اقوال کی صورت میں یَعْرُجُ کی ضمیر فرشتے کے لیے ہے اس کا پہلے ذکر نہیں ہوا کیونکہ یہ معنی سے سمجھا جا رہا ہے سورۂ سال سائل میں آیت تَعْرُجُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَیْهِ (المعارج:4) میں اس کا صراحۃ ذکر ہے۔ الیہ میں ضمیر اس کے قول کے مطابق جو السماء کو مذکر خیال کرتا ہے السماء کی طرف لوٹے گی اور فرشتے کے مکان کی طرف لوٹے گی جس جگہ کی طرف وہ لوٹتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے اسم کی طرف لوٹے گی مراد وہ جگہ ہے جس میں اسے قرار عطا کیا۔ جب تو ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے تو تو نے اسے السماء کی طرف لوٹایا یعنی سدرۃ المنتہی کیونکہ زمین سے جو چیز بلند ہوتی ہے وہ اس کی طرف بلند ہوتی ہے اور جو چیز نازل ہوتی ہے وہ اس سے ہی نیچے آتی ہے۔ یہ معنی صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ مقدارہ کی ضمیر تدبیر کی طرف راجع ہے۔ معنی ہے اس تدبیر کی مقدار دنیا کے سالوں میں سے ہزار سال ہے، یعنی وہ ہزار سال کے امور کی تدبیر ایک دن میں کر دیتا ہے، یعنی وہ ایک دن میں ہزار سال کے امور کا فیصلہ کر دیتا ہے پھر اسے اپنے فرشتوں کی طرف القا فرماتا ہے۔ جب ایک ہزار سال گزر جاتا ہے تو ایک اور ہزار سال کا فیصلہ فرماتا ہے، پھر ہمیشہ اسی طرح سلسلہ چلتا رہتا ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاء ضمیر عروج کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قیامت کے قائم ہونے تک امور دنیا کی تدبیر فرماتا ہے۔ پھر وہ امر اس کی طرف لوٹ جاتا ہے، تو وہ ایک ایسے دن میں امور کا فیصلہ کرے گا جس کی مقدار ہزار سال کے برابر ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ سورج کے امر یعنی اس کے طلوع، غروب اور طلوع کی جگہ کی طرف لوٹنے کے معاملہ کی تدبیر کرتا ہے ایسے دن میں جس کی مسافت میں مقدار ایک ہزار سال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے اگر فرشتے کے علاوہ کوئی اور چلتا تو اسے ایک ہزار سال لگ جاتے، کیونکہ اترنے میں پانچ سو سال اور چڑھنے میں پانچ سو سال کا عرصہ لگتا ہے۔ مفسرین کی ایک جماعت سے یہ مروی ہے: یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے؛ مہدوی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ پہلے قول کا معنی ہے۔ حضرت جبریل امین اپنی تیز رفتاری کے باعث ایک ہزار سال کی مسافت تمہارے دنوں میں سے ایک دن میں طے کر لیتا ہے؛ زمخشری نے اسے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک سے ذکر کیا ہے کہ فرشتہ ایک دن میں ہزار سال کی مسافت طے کر لیتا ہے(2)۔ قتادہ سے مروی ہے: فرشتہ ایک ایسے دن میں نیچے اترتا ہے اور اوپر چڑھتا ہے جس کی مقدار ہزار سال ہے۔ اس کے اترنے کی مقدار پانچ سو سال اور اس کے اوپر چڑھنے کی مقدار پانچ سو سال ہے؛ یہ قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک کا قول ہے: اترنے میں ہزار سال اور اوپر چڑھنے میں بیس سال۔

مِّمَّا تَعُدُّوْنَ دنیا کے ایام میں سے جن کو تم شمار کرتے ہو۔ اس دن سے مراد وہ زمانہ ہے جس کا اندازہ جہاں کے سالوں میں سے ہزار سال کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ دن نہیں جو دو راتوں کے درمیان دن کا احاطہ کیے ہوتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں ہوتا۔ عرب بعض اوقات زمانہ کے عرصہ کو یوم سے تعبیر کرتے ہیں؛ جس طرح شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 354 2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 353

یومان یومُ مُقامات و أندیة ویومُ سیرٍ إلی الأعداء تأویب

دو دن ہیں ایک دن ٹھہرنے اور مجلس کا ہے اور ایک دن دشمنوں کی طرف سارا دن چلنے کا ہے۔

یہاں شاعر نے دو مخصوص دنوں کا ارادہ نہیں کیا۔ اس نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ان کا زمانہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ دونوں حصوں کو اس نے یوم سے تعبیر کیا ہے (1)۔ ابن ابی عبلہ نے اسے یعرج مجہول کے انداز میں پڑھا ہے۔ اسے یعدون یاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ کا تعلق ہے تو اس آیت کے ساتھ اس کی تعبیر میں اشکال ہے۔ عبداللہ بن فیروز دیلمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں اور اس آیت فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: یہ دن ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ نام دیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہیں؟ میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ ان کے بارے میں وہ کہوں جسے میں جانتا بھی نہیں (2)۔ پھر حضرت سعید بن مسیب سے اس کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: میں نہیں جانتا تو میں نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے بارے میں آگاہ کیا۔ ابن مسیب نے سائل سے فرمایا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جو اس سے ڈرے کہ وہ اس کے بارے میں کچھ کہیں جب کہ وہ مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ پھر علماء نے اس بارے میں گفتگو کی تو کہا گیا: آیت سأل سائل اس میں یوم قیامت کی طرف اشارہ ہے جب کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ نہیں۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اس دن کے مشکل ہونے کی وجہ سے کفار پر اسے پچاس ہزار سال کی طرح بنا دیا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ عرب ناپسندیدہ دنوں کو لمبے ہونے اور خوشی کے دنوں کو چھوٹے ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

ویوم کظل الرمح قصّر طوله دمُ الزق عنّا واصطفاقُ المزاهر

اور دن جو نیزے کے سایہ کے برابر ہے جس کی طوالت کو شراب اور سارنگی کے نغموں نے ہمارے لیے چھوٹا کر دیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے دن میں کئی ایام ہیں ان میں سے ایک دن ایسا ہے جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے۔ ایک دن ایسا ہے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے اوقات مختلف ہیں۔ کافر کو ایک ہزار سال تک ایک قسم کا عذاب دیا جائے گا پھر اسے دوسری قسم کے عذاب کی طرف منتقل کر دیا جائے گا جس کی مدت پچاس ہزار سال ہوگی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے مواقف کی تعداد پچاس ہیں۔ موقف ہزار سال کا ہوگا۔ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ کا معنی ہے وقت کی مقدار یا یوم قیامت کے موقف کی مقدار ہزار سال ہے۔ نحاس نے کہا: یوم کا لفظ لغت میں وقت کے معنی میں ہے۔ معنی ہے فرشتے اور روح اس کی طرف ایسے وقت میں عروج کرتے ہیں جس کی مقدار ہزار سال ہے اور ایک دوسرے وقت جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ وہب بن منبہ سے مروی ہے فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ کہا: یہ مقدار زمین کی پستی سے لے کر عرش تک ہے۔ ثعلبی نے مجاہد، قتادہ اور ضحاک سے اس آیت تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 354 2۔ معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 420

وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ (المعارج) کی تعبیر میں قول نقل کیا ہے۔ زمین سے سدرۃ المنتہیٰ کا ارادہ کیا جہاں حضرت جبریل امین ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔ حضرت جبریل امین اور فرشتے جوان کے ساتھ ہوتے ہیں اور اس جگہ رہتے ہیں جو حضرت جبریل امین کا مقام ہے تو وہ ایک دن میں اتنا سفر کر لیتے ہیں جو دنیا کے پچاس ہزار سالوں میں کیا جاتا ہے۔ اِلَيْهِ یعنی اس مکان کی طرف جس کی طرف بلند ہونے کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا۔ یہ قول بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کی طرح ہے: اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ (الصافات) اس میں بھی مراد شام کا علاقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ (النساء:100) یہاں بھی اِلَى اللّٰهِ سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے رب کی جانب سے ایک فرشتہ پیغام لے کر آیا پھر اس نے اپنا پاؤں اٹھایا تو اس نے اسے آسمان کے اوپر رکھا دوسرا قدم زمین پر رکھا اسے بعد میں نہ اٹھایا''۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

''وہی جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا سب پر غالب، ہمیشہ رحم فرمانے والا''۔

اس سے مراد ہے مخلوق سے جو غائب ہے اور جو اس کے لیے حاضر ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ ذٰلِكَ، انا کے معنی میں ہے، جس طرح اس کی وضاحت سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ کلام میں تہدید اور وعید کا معنی موجود ہے۔ یعنی اپنے افعال اور اقوال میں اخلاص سے کام لو کیونکہ میں تمہیں ان پر بدلہ دینے والا ہوں۔

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

''وہ جس نے بہت خوب بنایا جس چیز کو بھی بنایا اور ابتداء فرمائی انسان کی تخلیق کی گارے سے۔ پھر پیدا کیا اس کی نسل کو ایک جوہر سے یعنی حقیر پانی سے پھر اسی (کے قدوقامت) کو درست فرمایا اور پھونک دی اس میں اپنی روح اور بنا دیئے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل تم لوگ بہت کم شکر بجالاتے ہو''۔

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ابن کثیر، ابو عمرو اور ابن عامر نے اسے خلقہ لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے سہولت کی وجہ سے اسے اختیار کیا ہے۔ یہاں فعل ماضی ہے محل جر میں ہے کیونکہ یہ شی کی صفت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو معنی مروی ہے وہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے جس شے کو بھی پیدا کیا اس کو محکم بنایا، یعنی جو ارادہ کیا اس کو لے آیا اس کے ارادہ میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا (1)۔

ایک دوسرا قول ہے: اللہ تعالیٰ نے جس شے کو بھی پیدا کیا وہ خوبصورت ہے کیونکہ کوئی دوسرا ابھی اس کی مثل لانے پر قادر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 355

نہیں۔ یہ اس کے خالق ہونے پر دال ہے۔ جس نے لام کو ساکن کیا وہ سیبویہ کے نزدیک مصدر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ اس امر پر دال ہے خلق کل شیء خلقا یہ اس کلام کی مثل ہے صُنْعَ اللّٰهِ (النمل:88) كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ (النساء:24) دوسرے علماء کے نزدیک کل سے بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے یعنی ہر شے کی تخلیق کو اچھا کیا۔ بعض نحویوں کے نزدیک یہ مفعول ثانی ہے، اس تاویل کی صورت میں کہ اَحْسَنَ کا معنی أفهم اور أعلم ہے تو یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا تو تقدیر کلام یہ ہوگی: افهم كلّ شي خلقه۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تفسیر کی بناء پر منصوب ہے۔ معنی ہے أفهم كلّ شي خلقا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حرف جر کے گرانے کی وجہ سے منصوب ہے اصل میں کلام یوں تھی أحسن كلّ شي في خلقه۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے: احسن اس کا معنی پختہ کرنا ہے(1)، یعنی اس سے جس مقصد کا ارادہ کیا گیا اس اعتبار سے یہ احسن ہے۔ اسی اعتبار سے حضرت ابن عباس اور عکرمہ نے کہا: بندر کی سرین خوبصورت نہیں لیکن متقن اور محکم ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ کا معنی ہے ہر شے کی تخلیق کو پختہ کیا(2)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: الَّذِیْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ (طٰہٰ:50) انسان کو حیوان کی شکل پر پیدا نہیں کیا اور حیوان کو انسان کی شکل پر پیدا نہیں کیا۔ خلقه کو رفع دینا بھی جائز ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: ذلك خلقه۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لفظ میں عام اور معنی میں خاص ہے۔ اس نے ہر اچھی چیز کی صورت کو اچھا بنایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لفظ اور معنی میں عام ہے۔ جس شے کو بنایا اس کو اچھا بنایا، یہاں تک کہ کتے کو اس کی صورت میں اچھا بنایا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: بندر کی سرین میں حسن ہے(3)۔

وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ سورۂ مومنون اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ زجاج نے کہا: مهین کا معنی کمزور ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: مهین سے مراد ہے لوگوں کے ہاں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی قد و قامت کو درست کیا۔ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ اس میں اپنی روح پھونکی، پھر ان کی اولاد کی طرف رجوع کیا۔ فرمایا: وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: پھر اس حقیر پانی سے خوبصورت مخلوق بنا دی۔ اس میں روح کو ملایا اور اس کے شرف کو ظاہر کرنے کے لیے اپنی طرف سے منسوب کیا۔ اور اس لیے بھی کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے واقع ہوا، جس طرح بندے کی نسبت اس ارشاد عبدی میں اپنی ذات کی طرف کی اسے نفخ کے ساتھ تعبیر کیا کیونکہ روح ہوا کی جنس میں سے ہے۔ سورۃ النساء اور دوسری سورتوں میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ یعنی تم شکر نہیں کرتے بلکہ ناشکری اور کفر کرتے ہو۔

وَ قَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 359 2۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 211 3۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 355

''اور کہنے لگے: کیا جب (مرنے کے بعد) ہم گم ہو جائیں گے زمین میں تو کیا ہم از سر نو پیدا کیے جائیں گے در حقیقت یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے انکار کر رہے ہیں''۔

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ یہ بعث کے منکروں کا قول ہے یعنی ہم ہلاک ہو جائیں اور مٹی ہو جائیں۔ اس کی اصل عربوں کا قول ہے: ضل الماء فی اللبن جب پانی دودھ میں ناپید ہو جائے۔ عرب اس شے کے بارے میں کہتے ہیں جس پر کوئی دوسری چیز ایسی غالب آجائے کہ اس میں اس کا اثر بھی چھپ جائے: قد ضل۔ اخطل نے کہا:

كنتَ القذَى فى موجِ أكدرَ مُزْبِد قذف الأتى به فضلَّ ضلالا(1)

تو مٹیالے رنگ جھاگ والی موج میں ایک تنکا تھا جس میں اجنبی کو پھینک دیا گیا اور وہ موج اس پر غالب آگئی۔

قطرب نے کہا: ضللنا کا معنی ہے ہم زمین میں غائب ہو جائیں اور نابغہ ذبیانی کا شعر پڑھا:

فآبَ مُضِلّوه بعينٍ جَلِيّة و غُودِر بالجَوْلانِ حَزْمٌ ونَائِلُ(2)

اس کو غائب کرنے والے روشن آنکھ کے ساتھ لوٹے اور حزم اور نائل کے ساتھ جولان کے مقام پر دھوکہ ہوا۔

ابن محیصن اور یحییٰ بن یعمر نے ضَلِلْنَا لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ بھی ایک لغت ہے۔ جوہری نے کہا: قد ضللت أضِل یہ اس کا باب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ (سبا: 50) یہ نجد کی لغت ہے اور یہ فصیح لغت ہے۔ اہل عالیہ کہتے ہیں: ضَلِلْتُ، أَضَلُّ فهو ضالّ و تالّ یہی ضلالۃ و تلالۃ ہے أضلہ اس کو ضائع کر دیا اور اسے ہلاک کر دیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أَضِلّ المیت جب اسے دفن کیا جائے گا۔ فآب مضلوہ اسے دفن کرنے والے لوٹے۔

ابن سکیت نے کہا: أضللت بعیری جب وہ اونٹ تجھ سے چلا گیا۔ ضللت المسجد و الدار جب تو مسجد اور اس کے گھر کو نہ پہچانتا ہو۔ اس طرح ہر وہ چیز موجود ہو لیکن اس تک پہنچا نہ جا سکے۔ حدیث میں ہے لعلی أضِل اللہ یہ ارادہ کیا ہے ممکن ہے میں اس پر مخفی ہوں (3)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ جب ہم زمین میں چھپ جائیں۔

اضلہ اللہ فضل اللہ تعالیٰ نے اسے چھپایا تو وہ چھپ گیا۔ تو جملہ بولتا ہے: انک لا تھدی الضال ولا تھدی المتضال تو چھپنے والے تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور تو جان بوجھ کر چھپنے والے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اعمش اور حضرت حسن بصری نے کہا: صَلَلْنَا صاد کے ساتھ قراءت کی۔ جب ہم بدبودار ہو جائیں؛ یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے۔ نحاس نے کہا: لغت میں صللنا معروف نہیں لیکن یہ جملہ کہا جاتا ہے: صلّ اللحمُ و أصلّ، خمّ و أخمّ جب وہ بدبودار ہو جائے۔ جوہری نے کہا: صلّ اللحم یصل، صلولا، گوشت کا بدبودار ہونا۔ وہ پکا ہوا ہو یا کچا ہو۔ حطیئہ نے کہا:

ذاك فتًى يَبْذُل ذَا قِدْرِه لايُفْسِدُ اللحمَ لديه الصُّلولُ

وہ ایسا نوجوان ہے جو اپنی ہنڈیا میں موجود چیز کو خرچ کرتا ہے اس کے ہاں کچا یا پکا گوشت خراب نہیں ہوتا۔ اصل اس کی مثل ہے۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 356 2۔ ایضاً 3۔ النہایۃ فی غریب الحدیث، جلد 3، صفحہ 98

اِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ہم اس کے بعد جدید مخلوق پیدا کرتے ہیں۔ اسے ائنا بھی پڑھا جاتا ہے۔ نحاس نے کہا: اس میں عربی کا مشکل سوال ہے۔ سوال کیا جاتا ہے: اذا میں کون عامل ہے؟ اور ان کا مابعد، اس کے ماقبل میں عامل نہیں ہوتا۔ استفہام میں سوال اس سے شدید تر ہے کیونکہ استفہام کا مابعد اِنَّ کے ماقبل میں بدرجہ اولیٰ عمل نہیں کرنا چاہیے۔ جب دونوں اکٹھے ہو جائیں تو مابعد، ماقبل میں کیسے عامل ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے انا پڑھا ہے تو اس میں عامل ضللنا ہوگا جس نے آئنا پڑھا اس میں عامل مضمر ہوگا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی أنبعث إذا متنا اس میں ایک اور سوال ہے، سوال یہ کیا جاتا ہے: پہلی قراءت کی صورت میں اذا کا جواب کہاں ہے کیونکہ اس میں شرط کا معنی موجود ہے؟ اس میں قول یہ ہے کہ اس کا مابعد فعل ماضی ہے اسی وجہ سے یہ جائز ہے بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ وہ دوبارہ لوٹانے کی اس کی قدرت کا انکار نہیں کرتے کیونکہ وہ اس کی قدرت کو پہچانتے ہیں لیکن وہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان پر کوئی حساب نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات نہیں کریں گے۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۟

''فرمائیے: جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے پھر اپنے رب کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ جب اس امر کو ذکر کیا کہ وہ دوبارہ اٹھانے کو بعید خیال کرتے ہیں تو ان کی وفات اور دوبارہ اٹھائے جانے کے امر کو ذکر کیا۔ يَتَوَفّٰىكُمْ یہ توفی العدد والشیء سے مشتق ہے۔ جب وہ پورا پورا اسے لے اور پورے کے پورے پر قبضہ کر لے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: توفاہ اللہ یعنی اس کی روح کو پورا پورا لیا پھر اس پر قبضہ کر لیا۔ تَوَفَّيْتُ مالی من فلان یعنی میں نے اس سے پورا پورا مال لے لیا۔ مَلَكُ الْمَوْتِ اس کا نام عزرائیل ہے جس کا معنی اللہ کا بندہ ہے۔ جس طرح سورۂ بقرہ میں پہلے گزر چکا ہے اس کا سارے کا سارا تصرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی تخلیق و اختراع سے ہوتا ہے۔ حدیث طیبہ میں مروی ہے: ''ملک الموت کی بجائے اللہ تعالیٰ تمام چوپاؤں کی روحوں کو قبضہ میں لے گا، گویا ان کی زندگی کو ختم کرے گا'' (1)۔ ابن عطیہ نے اس کا ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: اس کے برعکس بھی مروی ہے ملک الموت تمام مخلوقات کی روحوں کو قبض کرے گا یہاں تک کہ پسو اور مچھر کی روحوں کو بھی قبض کرے گا۔ جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری کے سر کے پاس ملک الموت کو دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''میرے صحابی کے ساتھ نرمی کرو کیونکہ وہ مومن ہے''۔ ملک الموت نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جائیے اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کرنے والا ہوں۔ یہ چیز ذہن نشین کر لیجئے مٹی کا گھر ہو یا بالوں سے بنا خیمہ وہ خشکی پر ہو یا سمندر میں اس کے رہنے والوں میں سے کوئی فرد نہیں مگر میں ہر روز پانچ دفعہ اس سے مصافحہ کرتا ہوں یہاں تک میں ان میں سے چھوٹے بڑے ہر فرد کو اس کی ذات کے اعتبار سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 360

پہچان لیتا ہوں اللہ کی قسم! اے محمد! ﷺ اگر میں یہ ارادہ کرتا کہ میں ایک مچھر کی روح کو قبض کروں تو میں اس پر قادر نہ ہوتا یہاں تک اللہ تعالیٰ اس کی روح کو قبض کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جعفر بن علی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے وہ نماز کے اوقات کے مواقع پر ان سے مصافحہ کرتا ہے (1)؛ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بغدادی نے ذکر کیا مجھے ابو محمد حسن بن محمد خلال نے انہیں ابو محمد عبد اللہ بن صفار نے انہیں ابو بکر حامد بصری نے انہیں یحییٰ بن ایوب علاف نے انہیں سلیمان بن مہیر کلابی نے روایت کی کہ میں حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا ایک آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے پوچھا: اے ابا عبد اللہ! کیا پسوؤں کی روحوں کو ملک الموت قبض کرتا ہے؟ امام مالک نے طویل عرصہ تک سر جھکائے رکھا پھر پوچھا: کیا اس کا نفس (روح) ہوتا ہے؟ اس نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ملک الموت ان کی روحوں کو قبض کرتا ہے

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر: 42)

ابن عطیہ نے حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا: انسان میں بھی معاملہ اسی طرح ہے، مگر یہ ایک ایسی نوع ہے اسے ملک الموت کے تصرف کے ساتھ شرف بخشا گیا ہے جب یہ ان کی روحوں کو قبض کرتا ہے تو اس کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو پیدا کیا اور اس کے ہاتھ پر روحوں کے قبض کرنے، جسموں سے انہیں کھینچنے اور ان سے نکالنے کے امر کو بھی پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لشکر کو پیدا فرمایا جو اس کے ساتھ ہوتا ہے وہ اس کے حکم پر عمل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ (الانفال: 50) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (الانعام: 61) یہ معنی سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام کی خالق ہے وہی ہر فعل کا حقیقت میں خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا (الزمر: 42) الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (ملک: 2) يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (البقرہ: 258) ملک الموت قبض کرتا ہے مددگار تگ و دو کرتے ہیں اللہ تعالیٰ روح کو لے جاتا ہے۔ آیات واحادیث میں تطبیق کی صورت یہی ہے لیکن جب ملک الموت اس امر کا ذمہ دار ہے خواہ یہ عمل وہ واسطہ کے ساتھ کرے یا براہ راست کرے تو موت کو اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس طرح خلق کی نسبت فرشتے کی طرف کی جاتی ہے جس طرح سورۂ حج میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ مجاہد سے مروی ہے: دنیا ساری کی ساری ملک الموت کے سامنے اس طرح ہے جس طرح انسان کے سامنے ایک تھال ہو جہاں سے وہ چاہتا ہے کوئی چیز لیتا ہے (2)۔ یہ معنی مرفوع حدیث میں بھی مروی ہے۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرۃ'' میں کیا ہے۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے: اللہ تعالیٰ نے جس وقت ملک الموت کو روحیں قبض کرنے کی ذمہ داری سونپی ملک الموت نے عرض کی: اے میرے رب! تو نے مجھے یوں بنا دیا کہ لوگ میرا ذکر برائی کے ساتھ کریں گے اور مجھے گالیاں دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: میں موت کے لیے امراض میں سے علتیں اور اسباب بنا دوں گا لوگ موت کو اس کی طرف منسوب کریں گے کوئی آدمی بھی تیرا ذکر خیر کے بغیر نہیں کرے گا (3)۔ ہم نے اس کا ذکر

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 357 2۔ تفسیر ثعلبی، جلد 4، صفحہ 328

3۔ التذکرہ، ما جاء فی سبب قبض ملك الموت، جلد 1، صفحہ 113

''تذکرہ'' میں مفصل کر دیا ہے۔ ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ روحوں کو دعوت دیتا ہے روحیں اس کے پاس آتی ہیں اور وہ انہیں قبض کر لیتا ہے۔ پھر وہ انہیں رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ کتاب ''تذکرہ'' میں ایسی بحث موجود ہے کہ جو آدمی حقیقت حال پر آگاہی حاصل کرنا چاہے وہ اس کے لیے کافی وشافی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء میں سے بعض نے اس آیت سے وکالت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ وُكِّلَ بِكُمْ اسے تمہاری روحیں قبض کرنے کی ذمہ داری دی ہے۔ یہ اس کے لفظ سے استنباط ہے اس کے معنی میں استنباط نہیں مگر یہ حکم عام ہوتا تو ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان: قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف: 158) کے بارے میں کہتے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نیابت ہے اور اس کی رسالت کی تبلیغ میں وکالت ہے۔ تو ہم اس ارشاد: وَآتُوا الزَّكَاةَ (البقرہ: 43) کے بارے میں کہتے: یہ بھی وکالت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے رزق کی ضمانت اٹھائی ہے اغنیاء کو غذاؤں کے ساتھ خاص کیا اور انہیں اشارہ کیا کہ فقراء کا رزق ان کے پاس ہے اور معلوم وقت میں معلوم مقدار ان کے سپرد کرنے کا حکم دیا، اپنے علم سے اس کی تدبیر فرمائی، اپنے حکم سے اسے نافذ فرمایا اور اپنی حکمت کے ساتھ اسے مقدر کیا۔ احکام الفاظ کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے ہاں اس صورت میں متعلق ہوتے ہیں کہ وہ اپنے مقاصد مطلوبہ میں موضوعات اصلیہ پر وارد ہوں۔ اگر وہ اپنے مقصد کے علاوہ میں ظاہر ہوں تو یہ ان پر متعلق نہیں ہوتے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ بیع وشراء کا لفظ اور معنی معلوم ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ: 111) یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آیت دلیل ہے کہ آقا اپنے غلام سے بیع وشراء کر سکتا ہے کیونکہ دونوں مقصد مختلف ہیں مگر جب معانی کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت میں دلیل ہے کہ قاضی ایسے آدمی کو نائب بنائے جو حق سے اس آدمی سے حق لے جس پر وہ حق لازم ہے اس کے بغیر کہ اس کا اس میں کوئی عمل ہو یا اس کی رضا شامل ہو جب کہ ایسی صورت پائی جائے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ⑫

''اور کاش! تم دیکھو جب مجرم اپنے سر جھکائے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیا اور (کانوں سے) سن لیا پس (ایک بار) بھیج ہمیں (دنیا میں) اب ہم نیک عمل کریں گے''۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ یہ جملہ إِذِ الْمُجْرِمُونَ مبتدا اور خبر ہے۔ زجاج نے کہا: نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے، امت کو خطاب ہے۔ معنی ہے اے محمد! ﷺ کاش آپ بعث کے منکروں کو قیامت کے روز دیکھتے تو عجیب وغریب بات دیکھتے۔ ابو العباس کا مذہب اس کے علاوہ ہے۔ معنی ہے اے محمد! ﷺ مجرم سے کہیے: کاش تم دیکھتے جب مجرم اپنے رب کے حضور سر جھکاتے ہوں گے تو تجھ سے افعال سرزد ہوتے اس پر شرمندگی کا اظہار کرتا۔ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ شرمندگی، رسوائی، حزن، ذلت اور غم کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے ہوتے۔ عِندَ رَبِّهِمْ جب ان کا رب ان کا

محاسبہ کرے گا اور انہیں ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ رَبَّنَاۤ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! اَبْصَرْنَا ہم جو جھٹلاتے رہتے تھے اس کو ہم نے دیکھ لیا۔ وَ سَمِعْنَا ہم جو انکار کیا کرتے تھے اس کو سن لیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے تیرے وعدہ کی صداقت کو دیکھ لیا اور تیرے رسولوں کی تصدیق کو سن لیا۔ ابصروا انہوں نے اس کو اس وقت دیکھا جب دیکھنا انہیں نفع نہیں دے گا اور انہوں نے اس وقت سنا جب سننا انہیں نفع نہیں دے گا۔ فَارْجِعْنَا ہمیں دنیا کی طرف بھیج دو۔ نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ہم دوبارہ اٹھانے کی تصدیق کرنے والے ہیں؛ یہ نقاش کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اس کی تصدیق کرنے والے ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے کہ وہ حق ہے، یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ سفیان ثوری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلایا۔ فرمایا: وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞ (الانعام) (1) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنَّا مُوْقِنُوْنَ کا معنی ہے اب ہم سے شکوک زائل ہو چکے ہیں وہ دنیا میں دیکھا اور سنا کرتے تھے لیکن وہ تدبر نہیں کیا کرتے تھے تو وہ اس آدمی کی طرح ہوتے جو نہ دیکھتا اور نہ سنتا ہے جب وہ آخرت میں متنبہ ہوئے اس وقت گویا وہ ہو گئے کہ وہ سن اور دیکھ رہے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے ہمارے رب! حجت و دلیل تو تیری ہی ہے ہم نے تیرے رسولوں اور دنیا میں تیری مخلوقات کے عجائب کو دیکھا اور ہم نے ان کی کلام کو سنا تو ہمارے لیے کوئی دلیل نہیں۔ یہ ان کی طرف سے اعتراف ہے پھر انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں دنیا کی طرف لوٹایا جائے تاکہ وہ ایمان لائیں۔

وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۞

"(جواب ملے گا) اور اگر ہم چاہتے تو ہم دے دیتے ہر شخص کو اس کی ہدایت لیکن یہ بات طے ہو چکی ہے میری طرف سے کہ میں ضرور بھروں گا جہنم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے"۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا، جب انہوں نے کہا: رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ تو اس قول کے ساتھ اس کا رد فرمایا: وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اگر میں چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت عطا فرما دیتا ان میں سے کوئی بھی ہدایت سے پیچھے نہ رہتا۔ وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ ابن مبارک نے رقائق میں طویل حدیث ذکر کی ہے ہم نے اس کا ذکر "التذکرہ" میں کیا (2)۔ نحاس نے کہا: وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا کے معنی میں دو قول ہیں: (1) دنیا میں (2) سیاق کلام دلالت کرتا ہے کہ یہ آخرت میں ہوگا۔ اگر ہم چاہتے کہ ہم انہیں دنیا اور امتحان کی طرف لوٹا دیتے جس طرح انہوں نے سوال کیا۔ وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ میری طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ جس نے میری نافرمانی کی میں اسے آگ کا عذاب دوں گا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اگر وہ انہیں لوٹاتا تو وہ لوٹ جاتے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام: 28)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 359 2۔ التذکرہ، جلد 2، صفحہ 561

اس ہدایت سے مراد دل میں معرفت پیدا کرنا ہے اور معتزلہ اس سے یہ مراد لیتے ہیں: اگر ہم چاہتے تو خوفناک نشانیوں کو ظاہر کر کے ہم انہیں ہدایت پر مجبور کر دیتے لیکن ایسا کرنا اس کی جانب سے اچھا نہ ہوتا کیونکہ یہ اس مقصد کے خلاف ہوتا جو اس بندے کو احکام کا مکلف بنانے سے حاصل ہوتا ہے وہ ثواب ہے اور اس ثواب کا مستحق نہیں بن سکتا مگر وہی شخص جو اپنے اختیار سے کوئی فعل کرتا ہے۔ امامیہ نے اس کی تاویل میں کہا: یہ جائز ہے کہ اس سے وہ ہدایت مراد لے جو آخرت میں جنت کے راستہ کی طرف ہے اور کسی کو سزا نہ دے لیکن اس کی جانب سے یہ قول ثابت ہے کہ وہ جہنم کو بھر دے گا۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کوئی لازم نہیں کہ سب کو جنت کی طرف ہدایت دے۔ علماء نے کہا: بلکہ واجب معصومین کو ہدایت دینا ہے۔ جس کا گناہ ہو تو اس کی جہنم کی طرف راہنمائی جائز ہوگی یہ ان کے افعال پر جزا ہے، اس کو جائز قرار دینا درست نہیں، کیونکہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد ایمان کی طرف ہدایت ہے۔ علماء نے ان کے بارے میں ان دو تاویلوں کے متعلق ایسی گفتگو کی ہے جو دین کے اصول میں کفایت کرتی ہے۔ جواب میں سب سے مناسب و موزوں یہ ہے کہ کہا جائے: ہمارے اور تمہارے نزدیک یہ باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جبر و اکراہ کے ساتھ ہدایت نصیب فرمائے کیونکہ اگر اسے تسلیم کیا جائے تو یہ جبریہ کے مذہب کی طرف لے جاتا ہے وہ مذہب ہمارے اور تمہارے نزدیک بے وقعت ہے تو کوئی چیز باقی نہیں بچتی مگر یہ ہے کہ مومنوں میں سے ہدایت یافتہ کو اللہ تعالیٰ بندے کے اختیار کی بنا پر انہیں ایمان و طاعت کی طرف دعوت دیتا ہے یہاں تک کہ اسے مکلف بنانا صحیح ہو جاتا ہے۔

وہ جو چاہے وہ اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے ایمان و طاعت اپنا لے بطور جبر ایسا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ (التکویر) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ (المزمل) پھر اس کے پیچھے ان دو آیتوں کو بیان کیا وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الانسان: 30) مومنوں کا ایمان اس کی مشیت سے واقع ہوا اور اس امر کی نفی کر دی کہ وہ کوئی چیز چاہ سکتے ہیں وہ اس وقت کوئی چیز چاہیں گے جب اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ اسی وجہ سے جبریہ نے مزید تفریط سے کام لیا جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے۔ انہوں نے کہا: مخلوق اپنے تمام تر امور میں مجبور ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دیکھتے: وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (الانسان: 30) اور قدریہ نے بھی حد سے تجاوز کیا جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کی ایمان کی طرف ہدایت بندوں کی مشیت کے ساتھ متعلق ہے۔ انہوں نے کہا: مخلوق اپنے افعال کی خود خالق ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف توجہ کی: لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ (التکویر)

ہمارا مذہب دونوں کے درمیان میانہ روی پر مشتمل ہے۔ ہمارا مذہب جبریہ اور قدریہ کے درمیان ہے اور بہترین امر درمیانہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل حق نے کہا: ہم جس کی طرف مجبور کیے جائیں اور جس میں ہمیں اختیار ہوتا ہے اس میں ہم فرق کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہم فرق کا ادراک کرتے ہیں، اس رعشہ کی حرکت میں جو انسان کے ہاتھ میں بغیر کسی حیلہ اور ارادہ کے ہوتی ہے اور اس کے ساتھ اس کی قدرت شامل نہیں ہوتی، اور اس اختیاری حرکت کے درمیان جب وہ اپنے ہاتھ کو

حرکت دیتا ہے جو رعشہ کی حرکت کے مماثل ہوتی ہے۔ جو دونوں حرکتوں یعنی رعشہ کی حرکت اور اختیاری حرکت میں فرق نہیں کرتا جب کہ وہ دونوں اس کی ذات میں موجود ہوتی ہیں۔ اس کے ہاتھ میں محسوس کی جاتی ہیں وہ اس کا مشاہدہ بھی کرتا ہے اور اس کا حاسہ، ادراک بھی کرتا ہے تو ایسا شخص پاگل ہے، اس کی حس میں خلل ہے اور عقلاء کی جماعت سے خارج ہے یہی وہ واضح حق ہے۔ یہی افراط و تفریط کے طریقوں کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے۔

کلا طرفی قصد الامور ذمیم

میانہ روی کی دونوں جانبیں مذموم ہیں۔ اسی اعتبار سے علماء میں سے اہل نظر نے پسند کیا کہ دو منزلوں کے درمیان اس منزل کو کسب کا نام دیں۔ انہوں نے یہ نام کتاب اللہ سے اخذ کیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ: 286)

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

"پس اب چکھو سزا اس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس روز کی ملاقات کو، ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا اور چکھو ابدی عذاب ان (کرتوتوں) کے عوض جو تم کیا کرتے تھے"۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا اس میں دو قول ہیں: (۱) یہ اس نسیان سے ماخوذ ہے جس کے ساتھ کوئی یاد نہ ہو۔ یعنی انہوں نے اس دن کے لیے کوئی عمل نہ کیا تو وہ بھولنے والوں کے قائم مقام ہو گئے۔ (۲) جو تم چھوڑ آئے اس کو تم نے بھلا دیا۔ اسی طرح اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ ہے۔ محمد بن یزید نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ (طہ: 115) سے استدلال کیا ہے۔ کہا: اس امر پر دلیل کہ یہ ترک کے معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے بارے میں بتایا فرمایا: مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ (الاعراف: 20) اگر حضرت آدم علیہ السلام اسے بھول گئے تھے تو شیطان نے تو آپ کو یاد دلایا تھا۔ اور یہ شعر پڑھا:

كأنه خارجا من جنب صفحته سُفُودُ شَرْبٍ نَسُوهُ عند مُفْتَادِ

اس شعر میں بھی نسوه، ترکوه کے معنی میں ہے۔ اگر یہ نسیان میں سے ہوتا تو انہوں نے اس پر ایک دفعہ عمل کیا ہوتا۔ ضحاک نے کہا: نسیتم تم نے میرے امر کو ترک کر دیا۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: تم نے اس دن میں دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان کو ترک کر دیا۔ نسیناکم ہم نے تمہیں بھلائی کے معاملہ میں ترک کر دیا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: ہم نے تم کو عذاب میں چھوڑ دیا(1)۔ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ سے کلام کو شروع کرنے اور فعل کی بنا ان کے اسم پر رکھنے میں ان سے انتقام لینے میں شدت ہے۔ معنی ہے اسے چکھو، یعنی جس میں تم ہو جیسے مر چکے ہوتے، رسوائی اور غم یہ سب اللہ تعالیٰ کو بھولنے کے سبب ہیں۔ یعنی دائمی عذاب چکھو یہ ایسا دائمی ہے جو جہنم میں کبھی ختم نہ ہوگا۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 360

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی دنیا میں جو تم گناہ کرتے رہے ہو۔ بعض اوقات وہ چیز جو نفس پر طاری ہوتی ہے اسے ذوق سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ وہ چیز کھائی جانے والی نہیں ہوتی کیونکہ اس کا احساس اسی طرح ہوتا ہے جس طرح کھائی جانے والی چیز کو چکھنے سے احساس ہوتا ہے۔ عمر بن ابی ربیعہ نے کہا:

فذُقْ هيرها إن كنت تزعم أنها فسادٌ ألا يا رُبَّما كذب الزعم

طفیل نے کہا:

فذوقوا كما ذقنا غداة محجَّر من الغيظ في اكبادنا والتحوب

پس تم چکھو جس طرح ہم نے محجر کی صبح اپنے جگروں میں غصہ اور گناہ کو چکھا تھا۔

تذوقتہ میں نے اسے تھوڑا تھوڑا چکھا۔ اور امر مستذاق معلوم اور تجربہ شدہ امر۔

شاعر نے کہا:

وعهدُ الغانيات كعهد قَيْنٍ وَنَتْ عنه الجعائل مُسْتذاق

نغمہ گانے والیوں کا وعدہ غلاموں کے وعدہ کی طرح ہے جس سے تجربہ شدہ اور معلوم اجرتیں تھک جاتی ہیں۔

ذواق کا معنی اکتایا ہوا۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۩

''صرف وہی لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جنہیں جب ہماری آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے''۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی وہ کفر سے محبت رکھنے کی بنا پر تم پر ایمان نہیں رکھتے۔ تجھ پر اور قرآن پر وہ لوگ ایمان لائیں گے جو تدبر کرنے والے ہوں گے اور اس سے نصیحت حاصل کرنے والے ہوں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جب ان پر قرآن پڑھا جائے گا تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ خَرُّوْا سُجَّدًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سُجَّدًا کا معنی ہے رُکعا۔ مہدوی نے کہا: یہ اس کے نقطہ نظر کے مطابق ہے جو سجدہ تلاوت رکوع میں کرنے کو جائز سمجھتا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے۔ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ۝ (ص) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سجدہ ہے؛ اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔ وہ اپنے مونہوں کے بل سجدہ میں گر پڑے وجہ آیات کی تعظیم اور اس کی سطوت و عذاب سے خوف ہے۔

وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ انہوں نے حمد کے ساتھ تسبیح کو ملا دیا، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی اور اس کی حمد بیان کی۔ انہوں نے اپنے سجدوں میں کہا: سبحان اللہ و بحمدہ، سبحان ربی الاعلی و بحمدہ یعنی وہ مشرکوں کے قول سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

سفیان نے کہا: انہوں نے اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہوئے نماز پڑھی(1)۔ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ وہ اس کی عبادت میں تکبر نہیں کرتے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ نقاش نے کہا: وہ اہل مکہ کی طرح سجدہ کرنے سے تکبر نہیں کرتے (2)۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝

"دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اور ان نعمتوں سے جو ہم نے ان کو دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں"۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ بستروں سے ان کے پہلو جدا اور دور رہتے ہیں۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے یعنی متجافية جنوبهم، مضاجع یہ مضجع کی جمع ہے۔ اس سے مراد نیند کی جگہیں ہیں۔ اس سے مراد لیٹنے کے اوقات بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ مجاز ہے حقیقی معنی اولیٰ ہے(3)۔ اسی معنی میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے اشعار ہیں:

وفينا رسول الله يتلو كتابه إذا انشق معروف من الصبح ساطع(4)

يبيت يجافي جنبه عن فراشه إذا استثقلت بالمشركين المضاجع

ہمارے درمیان اللہ کا رسول ہے جو اس کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے جب معروف یعنی صبح پھیلتی ہے وہ رات گزارتا ہے جب کہ آپ کا پہلو بستر سے جدا رہتا ہے جب مشرکوں کے بستر ان سے بوجھل ہوتے ہیں۔

زجاج اور رمانی نے کہا: تجافی سے مراد اوپر کی جانب سے الگ ہونا۔ یہ اسی طرح ہے جب کوئی آدمی خطا کار سے درگزر کرے جب وہ گالی وغیرہ دے۔ جنوب یہ جنب کی جمع ہے۔ ان کے پہلو بستر سے کیوں جدا رہتے ہیں اس میں دو قول ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے وہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں؛ یہ حضرت ابن عباس اور ضحاک کا قول ہے (۲) نماز کے لیے۔ وہ نماز جس کے لیے ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں اس کے بارے میں چار قول ہیں: (۱) رات کے وقت نفل پڑھنا؛ یہ جمہور مفسرین کا قول ہے؛ یہی اکثر لوگوں کا قول ہے، اسی میں مدح ہے؛ یہ مجاہد، اوزاعی، مالک بن انس، حسن بن ابی الحسن، ابو العالیہ وغیرہم کا قول ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدہ: 17) کیونکہ انہیں ایسے امور پر جزا دی گئی جس کو انہوں نے مخفی رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

رات کے وقت قیام کرنے کے بارے میں بے شمار احادیث ہیں ان میں سے ایک حضرت معاذ بن جبل کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: "کیا میں تمہاری خیر کے دروازوں کی طرف رہنمائی نہ کروں روزہ ڈھال ہے، صدقہ خطا کو نابود کر دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور رات کے وسط میں آدمی کی نماز پھر ان آیات کا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 361
2۔ ایضاً
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1499
4۔ الجواہر الحسان، جلد 2، صفحہ 559

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ کی تلاوت کی''(1)۔ ابو داؤد طیالسی نے اپنی سند میں، قاضی اسماعیل بن اسحاق اور ابو عیسیٰ ترمذی نے اسے نقل کیا ہے اس کے بارے میں کہا: حدیث حسن صحیح ہے۔(۲) اس سے مراد عشاء کی نماز ہے جسے عتمہ کہتے ہیں (2)؛ یہ حضرت حسن بصری اور عطا کا قول ہے۔ ترمذی نے حضرت انس بن مالک سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت اس نماز کی انتظار کرنے کے بارے میں نازل ہوئی جسے عتمہ کہتے ہیں (3)۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (۳) مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھنا؛ یہ قتادہ اور عکرمہ کا قول ہے۔ ابو داؤد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں (4) جو مغرب اور عشاء کے درمیان نفل پڑھتے ہیں (۴) ضحاک نے کہا: تجافی الجنوب سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی عشاء اور صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے؛ یہ قول حضرت ابو داؤد اور حضرت عبادہ نے کیا۔

میں نے کہا: یہ اچھا قول ہے۔ یہ معنوی طور پر تمام اقوال کو جامع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز کا انتظار کرنے والا یہاں تک کہ وہ نماز پڑھے نماز اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہوتا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک آدمی ہمیشہ نماز میں ہوتا ہے جب تک وہ نماز کا انتظار کرتا ہے'' (5)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: آیت سے مراد عشاء کی نماز کا انتظار کرنا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے ایک تہائی تک اسے موخر کیا کرتے تھے۔ ابن عطیہ نے کہا: جاہل لوگ غروب آفتاب کے ساتھ ہی سو جاتے ہیں اور اس وقت سو جاتے ہیں جس وقت انسان چاہتا ہے تو عشاء کے وقت کا انتظار مشکل ہو جاتا ہے۔ صبح کی نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے والا خصوصاً اوّل وقت میں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ نادر اور مشکل ہو چکا ہے۔

عبادت یہ ہے جو آدمی اوّل وقت میں اس نماز کی محافظت کرتا ہے وہ سحری کے وقت اٹھتا ہے وضو کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہوتی ہے۔ پھر بستروں سے دوری رات کے اوّل اور آخر میں ثابت ہو جاتی ہے۔ اس سے اضافہ وہ روایت کرتی ہے جو امام مسلم نے حضرت عثمان بن عفان سے نقل کی ہے، کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے فرمایا: ''جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو گویا اس نے نصف رات قیام کر لیا''۔ ترمذی اور ابو داؤد کی اس حدیث میں الفاظ یہ ہیں۔ ''جو آدمی جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز میں حاضر ہوا تو اس کو نصف رات کا قیام ثابت ہو گیا اور جس نے عشاء اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو اس کے لیے پوری رات کا قیام ثابت ہو گیا'' (6)۔ سورۃ النور میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں روایت مروی ہے جس نے عشاء کی نماز کے بعد چار رکعات پڑھیں تو وہ چار رکعات اس کے لیے لیلۃ القدر کے قائم مقام ہوں گی۔

مغرب اور عشاء کے درمیان نماز کی فضیلت اور رات کے قیام کے بارے میں بہت اچھے آثار آئے ہیں۔ ابن مبارک

1۔ جامع ترمذی، کتاب الایمان، ما جاء فی حرمۃ الصلوٰۃ، جلد 2، صفحہ 86 2۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 363

3۔ جامع ترمذی، تفسیر سورۂ لقمان، باب سورۂ سجدہ، جلد 2، صفحہ 151۔ ایضاً، حدیث نمبر 3120، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، وقت قیام النبی ..., جلد 1، صفحہ 187

5۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، ما جاء فی القعود، جلد 1، صفحہ 44 6۔ ایضاً، ما جاء فی فضل العشاء والفجر، جلد 1، صفحہ 30

نے ذکر کیا۔ کہا: یحییٰ بن ایوب، محمد بن حجاج سے یا ابن ابی الحجاج سے وہ عبدالکریم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے مغرب اور عشاء کے درمیان میں رکعات پڑھیں اس کے لیے جنت میں ایک محل بنا دیا جائے گا''۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ پھر تو ہمارے محلات اور گھر زیادہ ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ اکبر و افضل۔ یا فرمایا: اطیب۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: ''اوابین کی نماز وہ خلوت ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان ہوتی ہے یہاں تک کہ لوگ نماز کی طرف لوٹتے ہیں''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھا کرتے تھے اور کہتے: صلوٰۃ الغفلۃ یہ مغرب اور عشاء کے درمیان ہوتی ہے؛ ابن مبارک نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسے مرفوع نقل کیا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پہلو مغرب اور عشاء کے درمیان بستر سے دور رہے اس کے لیے جنت میں ایسے محل بنائیں جائیں گے جو ایک سال کی مسافت تک پھیلے ہوں گے۔ ان دونوں میں ایسے درخت ہوں گے اگر اہل مشرق اور اہل مغرب اس کے نیچے اتریں تو پھل ان کو کافی ہو جائے گا''۔ یہ اوابین کی نماز اور غافلین کی غفلت ہے۔ بے شک دعا مستجاب میں سے جسے رد نہیں کیا جاتا وہ دعا ہے جو مغرب اور عشاء کے درمیان ہوتی ہے۔

فصل تجافی کی فضلیت میں

حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جب قیامت کا دن ہو گا ایک منادی کرنے والا ندا کرے گا آج عنقریب تم جان لو گے کہ اصحاب کرم کون لوگ ہیں؟ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے اٹھ کھڑے ہوں، وہ اٹھیں گے تو انہیں جنت کی طرف لطف اٹھانے کے لیے بھیج دیا جائے گا۔ پھر دوبارہ وہ ندا کرے گا آج تم جان لو گے، اصحاب کرم کون ہیں؟ وہ اٹھ کھڑے ہوں جن کے پہلو بستروں سے الگ رہے، جو خوف و طمع میں اپنے رب کی عبادت کیا کرتے تھے اور ہم نے انہیں جو رزق دیا اس میں سے خرچ کرتے۔ وہ اٹھیں گے اور انہیں جنت کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ پھر وہ تیسری دفعہ ندا کرے گا آج تم جان لو گے اصحاب کرم کون ہے؟ وہ اٹھ کھڑے ہوں گے جنہیں تجارت اور بیع اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے، نماز کے قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتے تھے، وہ اس دن سے ڈرتے تھے جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ ہو جاتے ہیں۔ وہ اٹھیں گے اور جنت کی طرف انہیں بھیج دیا جائے گا۔

ثعلبی نے اس حدیث کو حضرت اسماء بنت یزید سے مرفوع نقل کیا ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ اگلوں اور پچھلوں کو جمع کر دے گا تو ایک ندا کرنے والا آئے گا وہ بلند آواز سے اعلان کرے گا جسے تمام مخلوق سنے گی: آج اہل محشر جان لیں گے کون کرم کا زیادہ مستحق ہے؟ وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوں جن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے تھے۔ وہ اٹھیں گے وہ تعداد میں تھوڑے ہوں گے، وہ دوبارہ ندا کرے گا: آج تم جان لو گے کون کرم کا زیادہ مستحق ہے؟ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جنہیں تجارت اور بیع اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے تھے وہ اٹھیں گے پھر وہ تیسری دفعہ اعلان کرے گا: آج تم جان لو گے کون کرم کا زیادہ مستحق ہے؟ ہر حال خوشحالی اور تنگ دستی میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے والے اٹھ

کھڑے ہوں۔ وہ اٹھ کھڑے ہوں گے وہ تعداد میں تھوڑے ہوں گے ان سب کو جنت کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ پھر باقی لوگوں کا حساب ہوگا۔

ابن مبارک نے ذکر کیا ہے معمر نے ایک آدمی سے وہ ابوالعلاء بن شخیر سے وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ کر ہنسے گا اور ان کو دیکھ کر خوش ہوگا: (۱) وہ آدمی جو رات کو اٹھا اپنے بستر اور گرمائش کو ترک کیا، پھر اس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا پھر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: ''میرے بندے نے جو کچھ کیا ہے اس پر کس چیز نے اسے برانگیختہ کیا؟'' وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو ہماری بنسبت اسے بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ''میں بہتر جانتا ہوں لیکن تم مجھے خبر دو''۔ وہ عرض کریں گے: تو نے اسے کسی چیز کی امید دلائی تو اس نے اس کی امید کی اور تو نے اسے ڈرایا تو وہ اس سے ڈرا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ''میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ جس چیز سے یہ ڈرا میں نے اس سے اسے امن دیا اور جو اس نے امید رکھی میں نے اسے اس کے لیے ثابت کر دیا''۔ کہا: ایک آدمی ایک چھوٹے لشکر میں تھا وہ دشمن سے ملا، اس کے ساتھی شکست کھا گئے اور وہ ثابت قدم رہا یہاں تک کہ اسے قتل کر دیا گیا یا اللہ تعالیٰ نے ان پر اسے فتح دے دی تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے اسی واقعہ کی طرح ارشاد فرمائے گا۔ ایک آدمی رات بھر چلتا رہا یہاں تک کہ جب رات کا آخری پہر تھا وہ بھی اترا اور اس کے ساتھی بھی اترے اس کے ساتھی سو گئے اور وہ اٹھ کر نماز پڑھنے لگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مثل فرشتوں سے فرمائے گا۔ قصہ کا ذکر کیا۔

یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ حال ہونے کی بنا پر محل نصب میں ہے، یہ بھی جائز ہے کہ صفت مستانفہ ہو، یعنی تتجافی جنوبھم وھم أیضا فی کل حال یدعون ربھم لیلھم و نھارھم یعنی ان کے پہلو جدا رہتے ہیں اور وہ ہر حال میں رات اور دن اپنے رب سے دعا کرتے رہتے ہیں۔ خوفا یہ مفعول لاجلہ ہے یہ بھی جائز ہے کہ مفعول مطلق ہو وَّ طَمَعًا یہ بھی مفعول لاجلہ ہے۔ یعنی عذاب سے ڈرنے کے لیے اور ثواب کی طمع میں۔ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ، ما، الذی کے معنی میں ہوگا۔ مصدری معنی میں ہو گا۔ دونوں صورتوں میں یہ من سے الگ ہوگا۔ یُنْفِقُوْنَ اس کا معنی فرض زکوٰۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نفل صدقہ ہے۔ یہ قول زیادہ مناسب ہے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾

''پس نہیں جانتا کوئی شخص جو (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کے لیے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ صلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

حمزہ نے مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ کو یاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اس یاء کو فتحہ دیا ہے۔ عبداللہ کی قراءت میں ما نخفی نون مضموم کے ساتھ ہے۔ مفضل نے اعمش سے مایخفی لھم یاء مضمومہ اور فاء مفتوحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے من قرات اعین پڑھا ہے جس نے ما اخفی کی یاء کو سکون دیا ہے تو یہ فعل مضارع کا صیغہ ہوگا اس کا الف، متکلم کا الف ہوگا۔ ما، اخفی سے محل نصب میں ہوگا اور یہ استفہامیہ ہوگا اور جملہ محل نصب میں ہوگا

کیونکہ یہ مفعولوں کے قائم مقام ہوگا اور ضمیر عائد محذوف ہوگی۔ جس نے یاء کو فتحہ دیا تو یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہوگا۔ ما یہ محل رفع میں مبتدا ہے اور اس کی خبر اخفی اور اس کا مابعد ہے اور اخفی میں ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے۔

زجاج نے کہا: اسے ما اُخفی لھم کو ما اخفی اللہ لھم کے معنی میں پڑھا گیا ہے: یہ محمد بن کعب کی قراءت ہے اور ما محل نصب میں ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے قرات اعین قراءت کی ہے یہ قُرّۃ کی جمع ہے اس میں جمع کا صیغہ اچھا ہے کیونکہ یہ جمع کی طرف مضاف ہے اور مفرد اس لیے پڑھتے ہیں کیونکہ یہ مصدر ہے اور یہ اسم جنس ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: یہ مصحف کے خلاف ہے کیونکہ قرۃ کی تاء اس کی لغت کے مطابق تاء سے لکھی جاتی ہے جو وقف پر بھی وصل کا قاعدہ جاری کرتا ہے، جس طرح انہوں نے رحمت اللہ کو تاء کے ساتھ لکھا ہے۔ قراءت سے خط میں الف کا ساقط ہونا جب کہ وہ بولنے میں موجود ہو کوئی عجیب نہیں، جس طرح السموات سے الف کا ساقط ہونا کوئی عجیب بات نہیں یہ زبان اور نطق میں ثابت ہے۔ معنی مراد ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان نعمتوں کے بارے میں بتایا جنہیں کوئی نفس، کوئی بشر اور کوئی فرشتہ نہیں جانتا۔ اسی آیت کے معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میں نے صالح بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور کسی بشر کے دل پر اس کا کھٹکا نہیں ہوا، پھر اسی آیت کو بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ تک پڑھا۔ صحیح میں حضرت سہیل بن سعد ساعدی سے یہ حدیث مروی ہے (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تورات میں لکھا ہوا ہے: وہ لوگ جن کے پہلو بستروں سے دور رہتے ہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ایسی نعمتیں ہیں جنہیں کسی انسان نے نہیں دیکھا، کسی کان نے انہیں نہیں سنا اور کسی انسان کے دل پر ان کا گزر نہیں ہوا (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کی تفسیر جاننے سے معاملہ بڑا اور عظیم ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ کرامت ان لوگوں کے لیے ہے جو جنت میں سب سے بلند درجہ رکھتے ہیں جس طرح صحیح مسلم میں حضرت مغیرہ بن شعبہ سے واضح طور پر روایت آئی ہے حضرت مغیرہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے مرفوع نقل کرتے ہیں۔ فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا عرض کی: اے میرے رب! جنت میں سب سے کم مرتبہ کا کون ہوگا؟۔ فرمایا: وہ شخص ہوگا جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو وہ آئے گا تو اسے کہا جائے گا: جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! کیسے جب کہ لوگ اپنی اپنی جگہوں پر اتر چکے ہیں اور اپنے اپنے حصے لے چکے ہیں؟ تو اسے کہا جائے گا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تیرے لیے دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کے ملک کے برابر ملک ہو۔ وہ عرض کرے گا: میرے رب! میں راضی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیرے لیے وہ اس کے ساتھ اس کی مثل، اس کی مثل، اس کی مثل اور اس کی مثل۔ پانچویں دفعہ اس نے عرض کیا: اے میرے رب! میں راضی ہوں۔ اسے کہا جائے گا: تیرے لیے یہ اور اس کے دس گنا اور تیرے لیے وہ کچھ ہے جو تیرا نفس چاہے، تیری آنکھیں لذت حاصل کریں۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں راضی ہوں۔ عرض کی: اے میرے رب! ان میں سے سب سے بلند مرتبہ والا کون ہوگا؟ فرمایا: وہ لوگ

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 704 2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 363

ہوں گے جن کو میں نے چن لیا اور ان کی کرامت کو اپنے ہاتھ سے لگایا یعنی میں نے خود اسے اپنے ہاتھ میں لیا اور اس پر مہر لگائی۔ کسی آنکھ نے اس کو نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور کسی انسان کے دل پر وہ نہیں کھٹکا۔ فرمایا: کتاب اللہ میں اس کا مصداق یہ فرمان ہے: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (السجدہ)(1) حضرت مغیرہ بن شعبہ سے ان کا قول موقوفاً مروی ہے۔

امام مسلم نے بھی اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی چیز تیار کر رکھی ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں اور کسی کے دل پر اس کا کھٹکا نہیں ہوا (2)۔ وہ ذخیرہ شدہ ہے اللہ تعالیٰ نے جس پر آگاہ کیا اس کو چھوڑ دو۔ پھر پڑھا: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ (السجدہ: 17)

ابن سیرین نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کچھ لوگوں نے اپنے اعمال کو مخفی رکھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی چیز کو مخفی رکھا جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور کسی کان نے نہیں سنا (3)۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾

''تو کیا جو شخص ایمان دار ہو وہ اس کی مانند ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ (نہیں) یہ یکساں نہیں''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ یعنی مومن فاسق کی طرح نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے ہم نے ان مومنوں کو ثواب عظیم عطا فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء بن یسار نے کہا: یہ آیت حضرت علی شیر خدا اور ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ دونوں میں گفتگو ہوئی۔ ولید نے آپ سے کہا: میں تم سے اچھی گفتگو کرنے والا، تلوار چلانے میں ماہر اور جسمانی قوت کے اعتبار سے پورے لشکر کا منہ موڑنے والا ہوں۔ أرد الکتیبة کی جگہ أملائی الکتیبة کے الفاظ ہیں، پورے لشکر میں امید کی کرن ہوں (☆)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اسے منع فرمایا: خاموش ہو جا تو تو فاسق ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی (4)۔

زجاج اور نحاس نے ذکر کیا: یہ آیت حضرت علی شیر خدا اور عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن عطیہ نے کہا: اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آیت مکی ہو کیونکہ عقبہ مدینہ میں تو نہیں تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس آرہے تھے تو وہ مکہ کی طرف جاتے ہوئے مر گیا تھا۔ ولید پر فسق کے نام کے اطلاق سے دوسرا قول آڑے آرہا ہے اس کی وجہ یہ احتمال

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، اثبات الشفاعة و اخراج الموحدین، جلد 1، صفحہ 106

2۔ صحیح مسلم، صفة الجنة، الجنة صفة نعیمها و اهلها، جلد 2، صفحہ 378

3۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 284　　4۔ اسباب النزول، صفحہ 268

☆ قرطبی کے ایک نسخہ میں امدأ الکتیبة جسدا ہے تو پھر معنی ہوگا میں پورے لشکر میں سب سے بھرے جسم والا ہوں۔

ہوسکتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ولید میں کوئی ایسا عمل تھا جس وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا یا جو روایت کی گئی ہے کہ اس نے بنی مصطلق کے بارے میں ایسی بات کہی جو ان میں نہ تھی، یہاں تک کہ ان کے بارے میں آیت نازل ہوئی: اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات:6) جس کی وضاحت سورۃ الحجرات میں آئے گی۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ شریعت نے اس پر اسی نام کا اطلاق کیا ہو کیونکہ وہ بغاوت کے کنارے پر تھا یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شراب پی تھی۔ اس نے صبح کی نماز لوگوں کو پڑھائی اور کہا: کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ میں تمہیں کچھ زائد پڑھاؤں۔ اس کے بارے میں گفتگو طویل ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور ان فاسقوں کے درمیان تقسیم کر دی وہ فاسق جنہیں کفر کی وجہ سے فاسق قرار دیا (کیونکہ آیت کا اختتام اس کا تقاضا کرتا ہے) تو اس نے اس امر کا تقاضا کیا کہ مومن اور کافر میں مساوات کی نفی کی جائے اس وجہ سے دونوں میں قصاص کا حکم جاری کرنے سے منع کیا کیونکہ قصاص واجب کرنے کے لیے قاتل اور مقتول کے درمیان برابری ضروری ہے۔

اسی وجہ سے ہمارے علماء نے امام اعظم ابو حنیفہ کے خلاف استدلال کیا ہے کہ کسی مسلمان کو ذمی کے مقابلہ میں قتل کیا جائے۔ امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ثواب میں مساوات کی نفی کا ارادہ کیا ہے اور دنیا میں عدالت کے اعتبار سے نفی کا ارادہ کیا ہے۔ ہم نے اسے اس کے عموم پر محمول کیا ہے۔ یہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ کوئی دلیل ایسی نہیں جو تحقیق پر دال ہو؛ یہ ابن عربی کا قول ہے(1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ لا یستوون زجاج اور دوسرے علماء نے کہا: من واحد اور جمع کے لیے مناسب ہے۔ نحاس نے کہا: من کا لفظ جماعت کا معنی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا: لا یستوون؛ یہ کثیر نحویوں کا قول ہے۔ بعض نے کہا: لا یستوون دو افراد کے لیے ہے کیونکہ دو بھی جمع ہے کیونکہ یہ ایسا واحد ہے جو دوسرے کے ساتھ مل کر جمع ہو گیا؛ یہ بھی زجاج کا قول ہے۔ حدیث اس قول پر دلالت کرتی ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے لوگوں سے مروی ہے فرمایا اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا یہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے حق میں نازل ہوئی۔ كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا یہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے حق میں نازل ہوئی۔ شاعر نے کہا:

الیس الموت بینھما سواء إذا ماتوا وصاروا فی القبور

کیا موت ان دونوں میں برابر نہیں جب وہ مر گئے اور قبروں میں چلے گئے۔

محل استدلال ھما ضمیر اور فعل ماتوا اور صاروا جمع کے صیغے ہیں۔

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1503

أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝

''پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لیے جنتیں ہمیشہ کا ٹھکانا ہیں بطور ضیافت ان (نیکیوں) کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے اور جنہوں نے نافرمانی کی تو ان کا ابدی ٹھکانا آگ ہے جتنی مرتبہ وہ ارادہ کریں گے کہ (کسی طرح) یہاں سے نکل جائیں تو (ہر بار) انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں اور انہیں کہا جائے گا: چکھو آگ کا عذاب جسے تم جھٹلایا کرتے تھے''۔

آخرت میں دونوں فریقوں کا جو ٹھکانا ہوگا اس کے بارے میں خبر دی مومنین کے لیے جنات الماوی ہے وہ جنتوں کو ٹھکانہ بنائیں گے۔ جنات کو ماوی کی طرف مضاف کیا کیونکہ جگہ جگہ جنات کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ نُزُلًا کا معنی ضیافت ہے۔ نزل اسے کہتے ہیں جو آنے والے اور مہمان کے لیے تیار کی جاتی ہے۔ سورۂ آل عمران کے آخر میں یہ بحث گزر چکی ہے یہ جنات سے حال کے طور پر منصوب ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لھم الجنات معدۃ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول لہ ہو۔ جو ایمان سے کفر کی طرف نکلے ان کا مقام جہنم میں ہوگا۔ جب آگ کا شعلہ انہیں بلندی کی طرف لے جائے گا تو انہیں پھر جہنم میں ان کی جگہ کی طرف لوٹا دیا جائے گا کیونکہ وہ اس سے نکلنے کی طمع رکھتے تھے۔ سورۂ حج میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے یا اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: اس آگ کے عذاب کو چکھو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ ذوق کا لفظ محسوس چیز اور معنوی چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سورت میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

''اور ہم ضرور چکھاتے رہیں گے انہیں تھوڑا تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ (فسق و فجور سے) باز آجائیں''۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى حضرت حسن بصری، ابو العالیہ، ضحاک، ابی بن کعب اور ابراہیم نخعی نے کہا: الْعَذَابِ الْأَدْنَى سے مراد دنیا کے مصائب اور اس کی بیماریاں ہیں جس کے ساتھ بندوں کو آزمایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کریں گے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد حدود ہیں؛ حضرت ابن مسعود، حضرت حسن بن علی اور حضرت عبداللہ بن حارث سے مروی ہے۔ اس سے مراد غزوۂ بدر کے روز قتل کرنا ہے۔ مقاتل نے کہا: مراد مکہ مکرمہ میں سات سال تک خشک سالی ہے یہاں تک کہ انہوں نے مردار کھائے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: الْعَذَابِ الْأَدْنَى سے مراد عذاب قبر ہے؛ یہ حضرت براء بن عازب کا قول ہے۔ انہوں نے کہا: اکبر سے مراد یوم قیامت کا عذاب ہے۔ قشیری نے کہا: مراد عذاب قبر ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ کہا: جس نے عذاب کا اطلاق قتل پر کیا ہے تو اس نے لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ کا معنی کیا ہے ان میں سے جو باقی بچے وہ شاید لوٹ آئیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عذاب اکبر سے مراد عذاب جہنم ہے، مگر جو امام جعفر بن محمد سے مروی

1۔ تفسیر الحسن البصری، جلد 4، صفحہ 285

ہے کہ اس سے مراد حضرت امام مہدی کا تلوار کے فیصلہ کے ساتھ نکلنا ہے۔ الادنی سے مراد بھاؤ کا زیادہ ہو جانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ کا معنی مجاہد اور براء کے قول کے مطابق ہے۔

شاید وہ رجوع کا ارادہ کریں اور اسے طلب کریں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا (السجدہ: 12) رجوع کے ارادہ کو رجوع کا نام دیا جس طرح قیام کے ارادہ کو قیام کا نام دیا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ (المائدہ: 6) اس پر اس کی قراءت بھی دلالت کرتی ہے جس نے اسے یُرجعون مجہول کا صیغہ پڑھا؛ زمخشری نے اسے ذکر کیا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝۲۲

''اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جسے نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں سے پھر اس نے روگردانی کی ان سے بے شک ہم مجرموں سے ضرور بدلہ لیں گے''۔

یعنی اس آدمی سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جس کو اس کے رب کی آیات یعنی دلائل اور علامات کے ساتھ نصیحت کی گئی پھر اس نے قبول کو ترک کر کے ان سے اعراض کیا تو ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں کیونکہ انہوں نے جھٹلایا اور اعراض کیا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۲۳ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝۲۴ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۲۵

''اور بے شک ہم نے عطا فرمائی تھی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب تو آپ شک میں مبتلا نہ ہوں اس کتاب کے ملنے سے اور ہم نے بنایا تھا اسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا، وہ رہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے جب تک وہ صابر رہے اور جب تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے۔ بے شک آپ کا پروردگار ہی فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن امور میں وہ (باہمی) اختلاف کیا کرتے تھے''۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں شک میں مبتلا نہ ہو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے۔ قتادہ نے کہا: آپ اس بارے میں شک میں مبتلا نہ ہوں کہ آپ معراج کی رات ان سے ملے ہیں۔ معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں شک میں مبتلا نہ ہوں۔ آپ ضرور اس روز ان سے ملیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ اس میں شک میں مبتلا نہ ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کتاب کو قبول کیا؛ یہ مجاہد اور زجاج کا قول ہے (1)۔

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 366

حضرت حسن بصری سے مروی ہے، انہوں نے اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: انہیں اذیت دی گئی اور انہیں جھٹلایا گیا آپ کو اس میں شک میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ جیسی تکذیب ان کی کی گئی اور جو اذیتیں انہیں دی گئیں وہ آپ کو بھی ملیں گی۔ ہاء ضمیر محذوف کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لقاء کا معنی ملاقی ہے۔ نحاس نے کہا: یہ غریب قول ہے، مگر یہ عمرو بن عبید سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے کہہ دیجئے: وہ ملک الموت تمہاری روحوں کو قبض کرے گا جسے تمہاری موتوں کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اس کی ملاقات میں شک نہ کیجئے یہ کلام وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اور وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ کے درمیان جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔ وَ جَعَلْنٰهُ کی ضمیر میں دو وجوہ ہیں: (۱) ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے (۲) ضمیر الکتاب کے لیے ہے۔ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے(1)۔ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً قائد اور مقتدیٰ بنادیا جن کی دین میں اقتدا کی جاتی ہے۔ کوفی ائمۃ پڑھا کرتے تھے۔ نحاس نے کہا: تمام نحویوں کے نزدیک یہ مناسب نہیں کیونکہ ایک کلمہ میں دو ہمزے جمع ہیں اور یہ نحو کا دقیق مسئلہ ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے: اصل میں یہ اأممة تھا پھر میم کی حرکت ہمزہ کو دی گئی اور میم میں ادغام کیا گیا اور دوسرے ہمزہ میں تخفیف کی گئی تا کہ دو ہمزے جمع نہ ہوں دو ہمزوں کو دو حرفوں میں جمع کرنا بعید ہے، جہاں تک ایک حرف کا تعلق ہے تو دوسرے ہمزہ میں تخفیف کے بغیر کوئی صورت جائز نہیں، جس طرح تیرا قول ہے: آدم و آخر۔ یوں کہا جاتا ہے: ھذا أوم من ھذا و أیم اسے واؤ اور یاء کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ سورۂ براءۃ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بِاَمْرِنَا وہ مخلوق کو ہماری طاعت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ بِاَمْرِنَا یعنی ہم نے انہیں اس کا حکم دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بِاَمْرِنَا یہ لامرنا کے معنی میں ہے یعنی وہ لوگوں کو ہمارے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ پھر کہا گیا: مراد انبیاء علیہم السلام ہیں، یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فقہاء اور علماء ہیں۔ لَمَّا صَبَرُوْا عام لوگوں کی قراءت لمّا ہے۔ یعنی لام مفتوح، میم مشدد اور اس پر زبر ہے، یعنی جب انہوں نے صبر کیا۔ یحییٰ، حمزہ، کسائی، خلف اور اویس نے یعقوب سے لما صبروا قراءت نقل کی ہے، یعنی ان کے صبر کے باعث ہم نے انہیں ائمہ بنا دیا۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت بما صبروا کی وجہ سے ابو عبید نے لما صبروا کی قراءت کو پسند کیا ہے۔ یہ صبر ایسا صبر ہے جو دین اور آزمائش پر صبر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے دنیا سے صبر کیا۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یعنی وہ کافروں اور مومنوں کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور ہر ایک کو ایسا بدلہ دیتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ انبیاء اور ان کی قوموں کے درمیان فیصلہ فرماتا ہے؛ یہ نقاش نے بیان کیا ہے۔

اَوَ لَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

''کیا یہ چیز ان کی ہدایت کا باعث نہ بنی کتنی تو میں تھیں جن کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا حالانکہ یہ چل پھر

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 366

رہے ہیں ان کے مکانوں میں، بے شک ان میں (عبرت کی) کئی نشانیاں ہیں کیا وہ (ان در و دیوار سے داستان عبرت) نہیں لے رہے''۔

اَوَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ ابو عبد الرحمن سلمی، قتادہ اور ابو زید نے یعقوب سے نهد لهم نون کے ساتھ قراءت کی ہے۔ یہ واضح قراءت ہے یاء کے ساتھ قراءت میں اشکال ہے کیونکہ یہ کہا جاتا ہے: فعل، فاعل سے خالی نہیں ہوتا تو یهد کا فاعل کیا ہے؟ نحویوں نے اس بارے میں گفتگو کی ہے۔ فراء نے کہا: کم، یهد کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ یہ نحویوں کے اپنے اصول کے خلاف ہے کلمہ استفہام میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا اور نہ ہی کم میں اس کا ماقبل عمل کرتا ہے۔ ابو العباس کا مذہب ہے کہ یهد الهدی پر دلالت کرتا ہے کلام کی صورت یہ بنے گی: أولم یهد لهم الهدی ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت نہیں دی تو پھر یاء اور نون دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہوگا، یعنی کیا ہم نے ان کے لیے واضح نہیں کر دیا کہ ہم نے ان سے پہلے سابقہ قوموں کو ہلاک کیا۔

زجاج نے کہا: کم، اهلكنا کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ **یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ** فعل میں ضمیر مرفوع احتمال رکھتی ہے کہ وہ ان چلنے والوں کے لیے ہو جو ہلاک ہونے والوں کے مسکنوں میں گھومتے پھرتے ہیں، یعنی یہ چلتے ہیں اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ یہ احتمال موجود ہے کہ ہلاک ہونے والوں کے لیے ہو تو فعل حال ہوگا معنی ہوگا: ہم نے انہیں ہلاک کیا جب کہ وہ اپنے مسکنوں میں چلتے پھرتے تھے۔ **اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ** کیا وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور نصیحتوں کو نہیں سنتے کہ وہ اس سے نصیحت حاصل کرتے؟

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

''کیا انہوں نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم لے جاتے ہیں پانی بنجر زمین کی طرف پھر ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے سے کھیتی، کھاتے ہیں اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی، کیا وہ (یہ بھی) نہیں دیکھتے''۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ کیا وہ ہماری کمال قدرت کو نہیں جانتے کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف لے گئے جس میں کوئی نباتات نہیں ہوتی تاکہ ہم اسے زندہ کریں۔ زمخشری نے کہا: جرز ایسی زمین کو کہتے ہیں جس کی نباتات کاٹ دی گئی ہو(1)۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ پانی ہی نہ ہو یا اسے چرا گیا اور اسے زائل کر دیا گیا۔ وہ زمین جو کھیتی نہ اگائے جس طرح شوریدہ زمین ہوتی ہے اسے جرز نہیں کہتے، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: **فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا**

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد یمن کا علاقہ ہے۔

مجاہد نے کہا: یہ واضح ہے۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد پیاسی زمین ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد مردہ اور پیاسی زمین ہے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 516

فراء نے کہا: الجرز سے مراد وہ زمین ہے جس میں نباتات نہ ہو۔ اصمعی نے کہا: ایسی زمین کو کہتے ہیں جو کوئی چیز نہیں اگاتی۔ محمد بن یزید نے کہا: یہ بعید ہے کہ اس سے مراد معین سرزمین ہو کیونکہ اس پر الف، لام داخل ہے مگر یہ جائز ہے اس کے قول کے مطابق جو یہ کہتا ہے: العباس، الضحاک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ اسناد صحیح ہے اس میں کوئی طعن نہیں۔ یہ نعت ہے۔ اسم معرفہ کی نعت الف، لام کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے مشتق ہے: رجل جروز اس آدمی کے لیے کہتے ہیں جو ہر چیز کھا جاتا ہے کوئی باقی نہیں چھوڑتا۔ راجز نے کہا:

خَبٌّ جَرُوزٌ وإذا جاعَ بکی ویأکل التمر ولا یُلقی النَّوی(1)

یہ کینہ ہے ہر چیز ہڑپ کر جاتا ہے جب بھوکا ہوتا ہے تو روتا ہے اور کھجور کھاتا ہے اور گٹھلی کو نہیں پھینکتا۔

اس طرح ناقۃ جروز ہوتی ہے جب وہ اونٹنی ہر اس چیز کو کھا جاتی ہے جسے وہ پاتی ہے۔ سیف جراز کاٹ دار تلوار۔ جرزت الجراد الزرع ٹڈی کھیت کو چٹ کر گئی۔ فراء اور دوسرے علماء نے کہا: یہ کہا جاتا ہے: ارض جُرُز، جُرْز، جَرْز، جَرَز اسی طرح الفاظ بخل، رعب، رہب ہے: ان چاروں الفاظ میں چار لغتیں ہیں۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے: یہ ایسے علاقے ہیں جن میں دریا نہیں، یہ سمندر سے دور ہیں، ہر سال ان میں موٹے قطرات والی بارش آتی ہے تو وہ سال میں تین دفعہ کاشت کرتے ہیں۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے۔ یہ نیل کا علاقہ ہے۔ فَنُخْرِجُ بِهٖ ہا ضمیر سے مراد پانی ہے۔ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ یعنی گھاس وغیرہ۔ وَ اَنْفُسُهُمْ یعنی دانے، سبزیاں اور پھل۔ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے تو وہ جانتے کہ ہم ان کو لوٹانے پر قادر ہیں۔ فنخرج یہ نسوق پر معطوف ہے یا اس کا ماقبل کلام سے تعلق نہیں۔ تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ نعت ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِیْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾

''اور بار بار پوچھتے ہیں: یہ فیصلہ کب ہوگا؟ بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ آپ فرمائیے: فیصلے کے دن نہ فائدہ پہنچائے گا کافروں کو ان کا ایمان لانا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی''۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ، متی محل رفع میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ظرف ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہو۔ قتادہ نے کہا: فتح کا معنی فیصلہ کرنا ہے۔ فراء اور قتبی نے کہا: مراد فتح مکہ ہے۔ ان سب سے اولی وہ ہے جو مجاہد نے کہا ہے، یعنی یوم قیامت۔ یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ مومنوں نے کہا: عنقریب اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے گا، اللہ تعالیٰ محسن کو بدلہ عطا فرمائے گا اور گنہگار کو سزا دے گا۔ کفار نے بطور مذاق کہا: یوم فتح کب ہوگا؟ یعنی یہ حکم کب ہوگا؟

حکم کو فاتح اور مفتاح بھی کہتے ہیں کیونکہ اشیاء اس کے ہاتھ پر کھل جاتی ہیں اور جدا ہو جاتی ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے: رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ (الاعراف: 89) یہ بحث سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔ قُلْ یَوْمَ

1۔ تفسیر الماوردی، جلد 4، صفحہ 367

الْفَتْحِ یوم ظرف کی بنا پر منصوب ہے اور فراء نے رفع بھی جائز قرار دیا ہے۔ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِیْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ انہیں توبہ کے لیے مہلت نہیں دی جائے گی اگر یوم فتح سے مراد یوم بدر یا فتح مکہ ہو۔ غزوہ بدر میں وہ قتل کیے گئے اور فتح مکہ کے روز وہ بھاگ گئے حضرت خالد بن ولید پیچھے سے انہیں آکر ملے اور انہیں قتل کیا۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ انْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ۠ ﴿۳۰﴾

''پس (اے حبیب!) رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے اور انتظار فرمائیے وہ بھی منتظر ہیں''۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ان کی بے وقوفی سے اعراض کیجئے اور انہیں جواب نہ دے دیجئے مگر جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا۔ وَ انْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ یوم فتح کا انتظار کیجئے جس روز اللہ تعالیٰ ان کے خلاف تمہارے حق میں فیصلہ فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش مکہ میں سے مشرکوں سے اعراض کیجئے۔ آیت سیف کے ساتھ یہ منسوخ ہے جو سورت براءت میں ہے: فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (توبہ:5)

وَ انْتَظِرْ میرا جو تجھ سے وعدہ ہے اس کا انتظار کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد یوم بدر ہے۔ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ وہ تمہارے بارے میں حادثات زمانہ کا انتظار کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منسوخ نہیں کیونکہ قتال کے حکم کے ہوتے ہوئے اعراض ہوسکتا ہے جس طرح صلح وغیرہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ ان سے اعراض کر لیجئے بعد اس کے کہ آپ نے حجت پہنچادی آپ بھی انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے: وہ قیامت کا کیسے انتظار کرتے ہیں جب کہ وہ ایمان بھی نہیں رکھتے؟ اس کے دو جواب ہیں: (۱) وہ موت کا انتظار کرتے ہیں جب کہ وہ قیامت کے اسباب میں سے ہے تو یہ مجاز ہوگا (۲) ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو شک میں مبتلا تھے اور ان میں سے کچھ ایسے تھے جو قیامت پر ایمان رکھنے والے تھے۔ تو یہ ان دونوں قسموں کو جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابن سمیقع نے پڑھا انهم منتظرون ظاء مفتوح ہے؛ یہ مجاہد اور ابن محیصن سے مروی ہے۔ فراء نے یہ کہا: یہ اضمار کی صورت میں ہی صحیح ہوسکتا ہے، معنی ہوگا: ان کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: صحیح کسرہ ہے یعنی آپ ان کے عذاب کا انتظار کریں وہ تیری ہلاکت کا انتظار کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ابن سمیقع کی قراءت ظاء کے فتحہ کے ساتھ ہے، اس کا معنی ہے: ان کی ہلاکت کا انتظار کیجئے بے شک وہ اس امر کے حق دار ہیں کہ ان کی ہلاکت کا انتظار کیا جائے (1)، یعنی وہ ہر حال میں ہلاک ہونے والے ہیں۔ آپ اس کا انتظار کیجئے کیونکہ آسمان میں فرشتے اس کا انتظار کر رہے ہیں؛ زمخشری نے اس کا ذکر کیا ہے؛ یہ فراء کے قول کا معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 3، صفحہ 517